

عزیز لکھنوی اور محشر لکھنوی کے نعتیہ قصائد کا فنی و فکری تقابل

نوید احمد عاجز

صدر شعبہ اردو

گورنمنٹ فریدیہ پوسٹ گریجویٹ کالج پاک پتن

Abstract:

Aziz Lakhnawi and Mehshar Lakhnawi are well known Qaseeda Nigar of twentieth century. All artistic needs of Qaseeda Nigari are fulfilled in their Qasaaid-e-Naat. In Tashbeeb, mostly they have dealt with theme of love and in Madah we can find out the reflection of physical beauty of Holy Prophet(PBUH) and Seerat u Nabi. Dramatic style, picturesque descriptions, use of hyperbole, taghazzul, poetic sublimity, elevated thoughts and simple Radeef are the major features of Aziz Lakhnawi's Qasaaid e Naat. On the other hand Mehshar Lakhnawi has ornamented his Oasaaid with intensity of love, forceful feelings, rich tone, long verses and complex Radeef. He is well aware of distinctive lines of the concepts of Tuheed and Risaalat, In Husn e Talab, Mehshar has given vent to his personal aspirations but Aziz Lakhnawi is objective in his approach. He has prayed for the betterment and zenith of Islam and muslims. Diversity of thought is also one of major traits of his work

:Keywords

نعتیہ قصیدہ نگاری، تشبیہ، گریز، مدح، حسن طلب، فنی و فکری تقابل، مماثلتیں، محشر لکھنوی، عزیز لکھنوی، قادر الکلامی، جودت طبع

قصیدہ اردو شاعری کی ایک گراں مایہ صنف ہے جس میں شعر اکو اپنی قادر الکلامی اور جودت طبع کے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے؛ اس طرح اس میں احوال ذات سے مشاہدہ کائنات کے درواہ ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ ادبیات مشرق میں قصیدے کو ”شہنشاہِ اقلیم ادب“ کی حیثیت حاصل ہے۔ قصیدے کا آغاز عربی سے ہوا۔ قصیدہ عربوں کے خون میں شامل تھا اور وہاں اس کے باقاعدہ مقابلے ہوا کرتے تھے۔ بقول ڈاکٹر ابو محمد سحر:

”عکاظ کے میلوں میں ہر سال شعر اکا جگھٹ ہوا کرتا
تھا۔ جس میں وہ اپنے قصیدے سناتے تھے۔ ان میں
سب سے اچھے قصیدے کو یہ شرف عطا کیا جاتا تھا کہ
آپ زر سے لکھ کر خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں
کر دیتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ایسے سات
قصیدے کہے گئے تھے۔ یہ قصیدے سبع معلقہ، سبع
مذہبات یا السموط کہلاتے ہیں۔“ (۱)

عربی میں نعتیہ قصیدہ آنحضرتؐ کی ولادت سے بہت پہلے لکھا جا چکا تھا۔ آپؐ کی حیات میں والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بی بیؓ کے اشعار آپؐ کی ولادت کے موقع پر ملتے ہیں۔ اس کے بعد جناب ابوطالبؓ نے سرداران قریش کے سامنے آنحضرتؐ کی شان میں اشعار کہے۔ عربی میں کعب بن زہیرؓ کا قصیدہ بردہ جو؛ اب ”قصیدہ بانہ سعاد“ کے نام سے معروف ہے خاصی شہرت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ حسان بن ثابتؓ، عبداللہ بن رواحہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے نام نمایاں ہیں۔ عربی ہی میں امام شرف الدین بوسیری نے قصیدہ بردہ لکھا جس کے اثرات عہد موجود کے قصیدہ نگاروں پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ فردوسی، انوری، خاقانی، جامی اور قافی فارسی قصیدہ نگاری کے نمایاں نام ہیں۔ انوری کا شمار فارسی کے صف اول کے شعرا میں ہوتا ہے۔ انوری کا نام فارسی کے پیغمبرانِ سخن میں، فردوسی اور سعدی کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ (۲)

اردو میں نعتیہ قصیدہ قلی قطب شاہ، سودا، مصحفی، ممنون، مومن، غلام امام شہید، کرامت علی شہیدی، منیر شکوہ آبادی اور محسن کاکوروی سے ہوتا ہوا بیسویں صدی تک پہنچا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ناقدین قصیدے کی موت کا اعلان کر چکے تھے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ نہ شاہی دربار ہا اور نہ صلہ کا وسیلہ تو قصیدہ کیسے پنپتا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سلیم اختر رقم طراز ہیں:

”اب جب نہ بادشاہ رہے اور نہ ہی دربار تو قصیدہ میں
مدح کا قدیم انداز، شان و شکوہ والا اسلوب اور مبالغہ پر
بنی مدح متروک قرار پائی تاہم اب بھی قصیدہ گوئی ملتی
ہے مگر باندا دیکر۔“ (۳)

ایسے میں بارگاہِ رسالتِ قصیدہ گو شعرا کی توجہ کا مرکز ٹھہری۔ یہ سلسلہ الحمد للہ پہلے بھی جاری تھا اور اب بھی جاری ہے مگر مغلیہ سلطنت کے خاتمے سے یہ بات طے ہو گئی کہ مستقبل میں یہ صنف جناب رسول کریم کی عظمت مدار شخصیت کی بدولت زندہ رہے گی۔ بیسویں صدی کے نعتیہ قصیدہ نگاروں میں عزیز لکھنوی اور محشر لکھنوی کے نام سرفہرست ہیں۔ اُن کے قصائد کلاسیکی رنگِ سخن کے حامل ہیں۔ اُن کے مرصع اسلوب پر لکھنوی اثرات بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔ اُن کے قصائد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ عشق و وارفتگی میں ڈوب کر لکھے گئے ہیں۔

عزیز لکھنوی کا اصل نام مرزا محمد ہادی ہے وہ ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں علم و فضل کئی پشتوں سے چلا آتا تھا۔ وہ بھی دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ ہوئے۔ اُن کی شعری عظمت کا دار و مدار زیادہ تر اُن کے قصائد پر ہے۔ (۴) اُن کے مجموعی قصائد ”صحیفہِ ولا“ میں نو نعتیہ قصائد شامل ہیں جب کہ محشر لکھنوی کے نعتیہ قصائد کی تعداد گیارہ ہے اور اُن کے مجموعے کا نام ”شفیع محشر“ ہے۔ دونوں قصیدہ نگاروں کے مابین کچھ فنی و فکری مماثلتیں موجود ہیں جن میں سب سے پہلے تشابہ کے مضامین کی مثال دی جاسکتی ہے۔ عزیز لکھنوی کے ہاں تشبیب میں عام طور پر بہار کا موسم، اس کی قوتِ نامیہ، چمن میں پھولوں کی عطر بیزی، صحن چمن کی صفائی اور روئے زمیں پر بہار کے اثرات کا ذکر ملتا ہے۔ بقول علی جوادی:

”عزیز کی تشبیہوں میں بہاریہ، حکیمانہ، اخلاقی اور
عاشقانہ سبھی طرح کے مضامین درج ہوتے ہیں لیکن
زیادہ تر زور آہنگ تغزل پر دیا گیا ہے جو قدیم عربی
قصائد کی یاد دلاتا ہے۔“ (۵)

عزیز لکھنوی بہار کی منظر نگاری میں نادر تشبیہات سے کام لیتے ہیں۔ اُن کے ہاں بہاریہ
مضامین نازک خیالی کے حامل ہوتے ہیں۔ جوش گل اور جوش نموکے حوالے سے پیش کردہ اشعار
میں مبالغہ آرائی کا اہتمام موجود ہے۔ وہ گلشن میں بہار کی آمد کی تمام تر جزئیات کو ترجیحی بنیادوں پر
پیش کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں اشجار کی بلند قامتی، دامن کوہسار کی رنگینی اور بساطِ خاک پر سبزے کی
کروٹیں اُن کی توجہ کا مرکز ٹھہری ہیں۔ دوسرے الفاظ میں انھوں نے محاکاتی اسلوب میں بصری
تشبیہات کا جواہتمام کیا ہے وہ جاذبیت کی خوبی سے مالا مال ہے۔ مثال ملاحظہ فرمائیں:

نشاط فصل ربيع و بہار عام الفیل
بساط سبزہ و گل کار دامن کسار

زوال بہن ودے جوش موسم اردی
کمال نامیہ و سر بلندی اشجار

کہاں ہو کون سے گوشوں میں ہو ذرا نکلو
جہاں ہے قابلہ نظارہ یا اولی الابصار!

میں کیا کہوں سبد گل فروش ہے گویا
جہاں بوقلموں تا بوسعت انظار

یہ جوش ہے کہ ذرا چھیڑے تو خون دے دے
زمیں پہ خود رگ سودا ہے نشتر ہرخار

بساط خاک پہ لیتا ہے کروٹیں سبزہ
کہ مست خواب جوانی ابھی ہے فصل بہار (۶)

محشر لکھنوی جب بہار کی منظر کشی کرتے ہیں تو اپنے بیانے میں ایک تسلسل کی کیفیت پیدا کر لیتے ہیں۔ منظر کے ایک ایک پہلو پر اس طرح توجہ صرف کرتے ہیں کہ جزئیات نگاری کی تاثیر دو چند ہو جاتی ہے۔ بہار کا نقشہ کھینچنے کے لیے انھوں نے بھی تشبیہ کا استعمال کیا۔ مضامین میں اگرچہ تکرار ہے لیکن زور بیان اور مبالغہ کا عنصر عزیز سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ان کی تشبیہات فطری ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں تقابلی کی تکنیک زیادہ مرغوب ہے۔۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

نمو کے فیض سے اشک نہال بار آور ہے
بگولہ سرو قد اٹھتا ہے جو خاک بیاباں کا

روساں چمن نے شوخی دست حنائی سے
چراغ رنگ ٹھنڈا کر دیا لعل بدخشاں کا

مزاج بادِ صرصر کی روش میں اعتدال آیا
اڑا عالم سے شکوہ برہمی زلف جاناں کا

قیامت ہے کہ بھولے دل فریبی اپنے قامت کی
نظارہ کرنے آئے تھے حسین اشجار بستاں کا

بچھی جاتی ہیں نظریں عاشقوں کی سنبل تر پر
دماغ اب کس کو ہے نظارہ زلف پریشاں کا

رطوبت نے کیا ہے موم سے بھی نرم آہن کو
بہت مشکل ہے کٹنا تیغ قاتل سے رگ جاں کا (۷)

تشبیہ قصیدے کا وہ حصہ ہوتا ہے جس میں شاعر کو اپنی پسند کے موضوع پر اپنی سخن
وری کے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے۔ اس میں شعر اپنی زبان دانی، علمی اصطلاحات، جودت طبع
اور قادر الکلامی کا مظاہرہ کرنے کے لیے مختلف مہارتیں استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ انھیں
مہارتوں میں ایک بحث و مناظرے کا انداز بھی ہے۔ منیر شکوہ آبادی نے اپنے نعتیہ قصیدے میں
ہستی و موت کے مابین خوب صورت مناظرہ پیش کیا جب کہ عزیز لکھنوی کے ہاں حسن و عشق
کے درمیان مکالمہ موجود ہے۔ قصیدہ ”حسن و عشق“ میں انھوں نے حسن و عشق کو حقیقی و مجازی
دونوں سطح پر باہم مکالمہ کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ حسن و عشق کی یہ داستان ازل سے آغاز ہوتی ہے
اور تاریخی حوالوں سے ارتقائی سفر کے ساتھ سفر معراج تک پہنچتی ہے۔ مکالمہ، کہانی اور ڈرامہ کے
ملے جلے منظوم جذبات داستان کا روپ لیے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کہا یہ حسن نے نازش ہے مجھ پر ماہ کنعاں کو
کہا یہ عشق نے ہوں زینت بزم زلیخائی

کہا یہ عشق نے خوئے فریب و عشق ہے تجھ میں
کہا یہ حسن نے ہے تجھ میں خوئے ناشکیبائی

کہا یہ عشق نے پیغمبری موسیٰ کو دی میں نے
کہا یہ حسن نے وہ آگ تھی میری ہی سلگائی (۸)

حسن اور عشق کا یہ مناظرہ تمثیلی رنگ لیے ہوئے ہے نیز اس میں ہجر و وصال کے دل
گداز جذبات شامل ہیں۔ یہاں عہد و بیہمان کی کیفیات کا ذکر رواں اسلوب میں ملتا ہے۔ آخر میں
عشق حسن مجازی کو قلب حیدری میں ملنے کو کہتا ہے۔ اس بارے میں اشعار دیکھیے:

زبان عشق پر جاری ہوئیں جب یاس کی باتیں
کہا حسن حجازی نے بہ اندازِ مسیحا

نبوت کو مری گزریں گے بارہ سال جب کامل
ملوں گا تجھ سے پھر اک مرتبہ اے میرے شیدائی

مگر یہ تو بتا منزل کہاں ہے تیری اے بے خود!
تجھے تو رات دن رہتا ہے ذوقِ دشتِ پیائی

کہا یہ عشق نے منزل مری ہے قلبِ حیدر میں
وہیں کرتا ہوں سیرِ عالم توحید و یکتائی (۹)

یہ مناظرہ عزیز لکھنوی کی تکتہ رسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انھوں نے اس پر فخر کرتے ہوئے اس کے ہر مصرع کو الہامی اور القائی قرار دیا ہے۔ اس قصیدے میں اُن کا اسلوب رنگِ تغزل میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی رنگِ اصل میں عزیز کی قصیدہ نگاری پر حاوی ہے۔ محشر لکھنوی کے قصیدے ”لوحِ محفوظ“ میں حسن و عشق کی صفات بیان ہوئی ہیں۔ اس میں مکالمے کے بجائے بیانیہ انداز اختیار کیا گیا ہے البتہ ”بہار بے خزاں“ میں انھوں نے گل و بلبل کے مابین مناظرہ پیش کیا ہے۔ اُن کے مکالموں کی بندش نسبتاً چست ہے۔ ان میں زور بیان اور جوش کی کیفیت ہے۔ بلبل نے اپنی تعریف میں اور گل کی مذمت میں جو مکالمے کہے ہیں وہ گل کے مکالموں سے زیادہ فطری اور جاندار ہیں۔ مثال دیکھیے:

کہا بلبل نے گل سے اوپریشاں حالِ ودلِ خستہ!
مقابلِ مانِ لوں اپنا بھلا میں تجھ کو کیوں کر سے

دعا دے خوبی و حسن کلام شاعرانہ کو
تعلیٰ کی، ملایا تجھ کو رنگِ روئے دل بر سے

یہ سرخی ہے ترے عارض پہ صرصر کے طمانچوں کی
ترا دم ناک میں ہے جور چرخ کینہ پرور سے

رہائی ہوتے ہی بازاروں میں تشہیر ہوتا ہے
خدا محفوظ رکھے ایسے برگشتہ مقدر سے

جگاتی ہے مری بانگِ حقیقت کیش ہر دل کو
سحر دم میرا نالہ کم نہیں اللہ اکبر سے

دل آویزی دکھائیں زمزمے میرے جو صحرا میں
تجرب کیا کہ تعریفوں کی آواز آئے پتھر سے (۱۰)

قصیدے میں عاشقانہ مضامین کا بیان ہر دور اور ہر دیار کے شعرا کا مرغوب موضوع رہا ہے۔ حضرت کعب بن زہیرؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو قصیدہ پڑھا تھا اس میں اس کی محبوبہ ”سعاد“ کی خوب صورتی، اس کے ہجر اور داخلی گداز کے علاوہ اوٹنی کی رفتار کا ذکر بھی ہے۔ عزیز لکھنوی کے نعتیہ قصائد کا غالب رجحان بھی عاشقانہ مضامین کی طرف ہے۔ انھوں نے محبوب کے انداز دل ربائی، شیریں سخنی، بے نیازی اور ظلم و ستم کے ایک ایک پہلو کو موضوع بنایا ہے۔ اس کے علاوہ شبِ فرقت میں محب و محبوب کے احوال کا موازنہ انھوں نے بڑے مشاہدے کے بعد کیا ہے۔ ایک طرف محبوب محفلِ طرب سجائے بیٹھا ہے تو دوسری طرف عاشق بے قراری کے سبب سینہ کو بی پر مائل ہے۔ محبوب محو خواب ہے مگر عاشق کی اختر شماری جاری ہے۔ عزیز نے تقابل کی جو فضا قائم کی ہے اس میں جذبات نگاری اور منظر نگاری سے رنگ بھی بھرے ہیں۔ اس بارے میں یہ اشعار دیکھیے:

وہاں پھولوں کو رنگ رخ کسی کا کھینچ لایا ہے
یہاں ہے خون دل سے بسترِ فرقت پہ گلکاری

وہاں سرمہ کشی ہنگامِ خوابِ ناز ہوتی ہے
گلوگیر اس طرف اپنی صدائے گریہ و زاری

یہاں ہے نالہ ہائے دل کو شوقِ آسماں گردی
زناکت کو ادھر آواز سے ہے میری بیزاری

وہاں امروز و فردا وصل کے وعدوں پہ ہوتا ہے
یہاں گن گن کے تارے کٹ رہی ہے زندگی ساری

وہاں وہ چھاؤں میں تاروں کی مستِ خوابِ آسائش
یہاں لذت کش ایزائے فرقتِ محوِ بیداری (۱۱)

محشر لکھنوی کے ہاں بھی زیادہ تر عاشق، محبوب اور فلسفیِ عشق کے دائرہ کار کے تمام
عناصر اور متعلقات کا بیان پُر اثر انداز میں موجود ہے۔ ہجر گزیدہ عاشق کی بے قراری کا احوال انھوں
نے اپنی ذات کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ اُن کے ہاں غم زدہ عاشق کی تصویر کشی جذباتِ غم کے
رنگوں سے کی گئی ہے۔ اس حوالے سے چند اشعار دیکھیے:

قتیل شمشیرِ ناز ہو کر یہ کیسی نیند آئی کب اُٹھو گے
اگر ہو امکان میں جگانا تو محوِ خوابِ عدم سے پوچھو

دل شکستہ کی لاش چپکے سے کیوں اٹھائی تھی شامِ فرقت
بتائیں گے خاک ہنسنے والے یہ رازِ اربابِ غم سے پوچھو

غریب دل کی ملال فرقت میں خیریت ہے بھی یا نہیں ہے
کہاں سے اشکوں میں آئی سرخی یہ جو شش چشم نم سے پوچھو

میان محفل تھا اک قیامت نقاب جاناں کا رخ سے اٹھنا
ہمیں نے دیکھے ہیں یہ کرشمے جو پوچھنا ہے تو ہم سے پوچھو (۱۲)

تشبیہ میں شعر اپنا ہنر ثابت کرنے کے لیے فلسفیانہ انداز بھی اختیار کرتے ہیں۔ عزیز
لکھنوی نے حسن و عشق کی فلسفیانہ تفسیر کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ حسن و عشق کو ایک ہی وحدت
کے دو دھارے تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ حسن کی صفات ظاہری عشق کی نیرنگیوں سے مختلف ہیں
مگر اُن کے نزدیک ایک مقام پر ان میں اتحاد کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اشعار دیکھیے:

جمال شاہد وحدت نے باندھی ہے ہوا ایسی
اڑا جاتا ہے دل بن بن کے ہر اک ذرہ صحرا سے

ہے حسن عشق میں اک اتحاد معنوی باہم
برآمد دونوں یہ گوہر ہوئے ہیں ایک دریا سے (۱۳)

مخثر نے محبوب اور روح کے تعلق پر فلسفیانہ نظر ڈالتے ہوئے ان کی صفات بیان کی
ہیں۔ اُن کے نزدیک روح کی ایک صفت امر ربی ہے جب کہ محبوب کی صفات میں ساری خدائی
کار فرما ہے۔ یہاں محبوب اپنی حقیقی صفات یعنی بے نیازی، ستم ظریفی اور کج ادائیگی کا مظہر بھی ہے
اور محبوب کنایہ بھی ہے، جناب رسول کریمؐ کی ذات بابرکات کا کہ جن کی رسائی وہاں تک ہے
جہاں حضرت جبرائیلؑ میں کے پر جلتے ہیں۔ الغرض محبوب اور روح کے بارے میں اہل عقل کے
نظریات اور اُن کے مباحث کو مخثر نے عمدگی سے موضوع بنایا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

مرادف کوئی نفس ناطقہ کا روح کو سمجھا
کہیں وقت اجل محبوب سے وقت جدائی ہے

اسے فطرت نے شاہی دی اگر اقلیم پیکر کی
تو اس کے در پہ عالم فخر سے محو گدائی ہے

عروج روح کی بس حد ہے تاویلات معنی تک
ملک کے پر جلیں محبوب کی واں تک رسائی ہے

پے روح امر ربی صرف اک تعریف اجمالی
پے محبوب تفصیلات مدحت میں خدائی ہے (۱۴)

تشبیہ کے بعد گریز کا مرحلہ آتا ہے جس میں عزیز کی نسبت محشر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔ عزیز نے بعض مقامات پر تو عمدہ گریز کیا ہے مگر بعض جگہ خاص اہتمام کرتے نظر نہیں آتے۔ اس کی ایک وجہ مدح رسول میں منقبت کے مضامین شامل کرنا ہے۔ ایسا کرنے سے انھیں دو تین بار گریز لانا پڑا جس سے وہ چاشنی اور دلکشی جو نعتیہ قصیدے کے حسن کے لیے ضروری ہے ماند پڑتی نظر آتی ہے۔ ولادت نبی کے قصیدے میں دوہری گریز نظر آتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد کمال الدین کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

”عزیز کے یہاں سوائے چند گریزوں کے اچھی گریزیں نہیں ملتی
ہیں اور انھوں نے گریزوں پر خاطر خواہ توجہ صرف بھی نہیں کی
ہے۔“ (۱۵)

محشر کے ہاں گریز کے اشعار زیادہ پُرکشش اور ہم ربط واقع ہوئے ہیں۔ ایک قصیدے
میں محبوب اور عاشق کی محفل کا احوال پیش کرتے ہوئے عاشق کی زبان سے بڑے دلکش انداز
میں یوں گریز کیا ہے:

ادائے عنیض پر ارمانوں کا یاں خون ہو جانا
وہاں رنگ جفا کو شوخ کرنا ناز جاناں کا

ادھر سے بسل تیغ تبسم ہو کے یہ کہنا
ذرا پھر مسکرا دے واسطہ محبوب یزداں کا

وہ محبوب حقیقت داں شب معراج میں جس پر
نچھاور ہو گیا سارا خزانہ راز سبحاں کا (۱۶)

قصیدے کا مرکزی حصہ مدح ہے جو مدوح کے مرتبے کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اس کا اسلوب تشبیہ سے ہم آہنگ ہو؛ تاکہ اسلوب میں ایک ہموار فضا قائم رہے۔ عزیز کے ہاں تشبیہ کے اشعار بلند تخیل اور زورِ بیان کی خصوصیت سے مالا مال ہیں۔ مدح کے حقیقی مضامین میں انھوں نے رفعت خیال اور جوشِ بیان کو برقرار رکھا ہے مگر تخیلاتی مضامین میں وہ زیادہ کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں وہ کسی واقعے کو منظوم کرتے ہیں تو ان کا اشہب اسلوب قصیدے کے جوش و خروش سے کنارہ کر کے مثنوی کی رواں دواں وادیوں کی سیر کو نکل جاتا ہے۔ ”حسن و عشق“ اور ولادت کے حوالے سے کہے گئے قصیدے ”بہارِ بیچ“ میں مکالمے اور واقعات کے حامل حصے مثنوی کا انداز لیے ہوئے ہیں۔ عزیز کے نعتیہ قصائد کی اکثر تشابہ عاشقانہ ہیں جو انھوں نے رنگِ غزل میں کہی ہیں۔ یہی رنگِ مدح کے حصے میں بھی غالب ہے۔ ”حسن و عشق“، ”معراجیہ“، ”سر جوشِ حرا“، ”شعر رسالت“ اور ”مراہ الضا“ میں غزلیہ انداز کی واضح جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ رنگ تشبیہ کے مضامین کے ساتھ تو میل کھاتا نظر آتا ہے مگر نعت کے لیے عہدِ موجود میں اسے پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ مثال میں ”سر جوشِ حرا“ سے یہ اشعار دیکھیے لیکن ان کی ردیف بے ساختگی کی دلیل ہے:

دل کے زخموں پہ نمک یوں نہیں چھڑکا جاتا
ڈال دے رخ پہ نقاب اپنی ملاحظت والے

لے گیا جذبہ دل تابہ حجابِ قدرت
پھر بھی پردے میں رہے ہیں شبِ وصلت والے

حسن اور حسن میں اک شان خود آرائی بھی
جان دیں تجھ پہ نہ کیوں پردہ ہی وحدت والے

راز دارانِ محبت سے بیاں کر دینا
تم سے معراج میں جو کچھ کہیں خلوت والے (۱۷)

محشر کے نعتیہ قصائد میں اسلوب کی ہم آہنگی کی صفت موجود ہے۔ وہ شروع سے آخر
تک قصیدے کی روانی اور جوش کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔ ”قندیل عرش“ میں بیان کی سادگی اور
تسلسل اخیر تک برقرار رہتا ہے۔ اسی طرح ”معراج شوق“ کا طرز بیان مرصع اور غنائی تاثیر کا
حامل ہے اور یہ تاثر پورے قصیدے میں دکھائی دیتا ہے۔

عزیز کا اسلوب اگرچہ سادہ اور غزلیہ آہنگ کا ترجمان ہے مگر ان کے ہاں ایسے الفاظ،
تراکیب، تشبیہات اور علمی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں کہ کہیں کہیں عام قاری کے لیے وہ
اسلوب مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ مشکل پسندی زیادہ تر ان کی تشبیہوں میں نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ
وہ تلمیحات کا خوب صورت استعمال کرتے ہیں اور علم نجوم کی اصطلاحات کو بھی کام میں لاتے ہیں
جو عام قاری کی ذہنی سطح سے بلند ہیں:

عروج بادہ پرستی کا ہے یہی ہنگام
کہ برج سعد میں ہیں سب ثوابت و سیار

ذنب ہے قوس میں مرتخ اپنے برج میں ہے
قمر ہے اول میزاں میں آج آئینہ دار

ادھر تو برج حمل میں ہے طلعت خورشید
شکم ہے آمنہ کا اس طرف تجلی زار (۱۸)

مشرکے شعری اسلوب میں بیانیہ تسلسل اور روانی ہے۔ اُن کی طبیعت مشکل پسندی کی طرف مائل نہیں۔ وہ علمی ترفیح کے بجائے زبان و بیان کی چاشنی پر زیادہ توجہ صرف کرتے نظر آتے ہیں۔ اُن کے ہاں عزیز کی طرح مضامین کی وسعت اور بوقلمونی تو نہیں پائی جاتی مگر وہ واضح تشبیہات کام میں لاتے ہیں۔ اُن کے ہاں بے ساختگی اور جذبوں کو مہمیز لگانے کا فن موجود ہے۔ یوں لگتا ہے انھیں زبان کی صفائی اور جذبے کی صداقت مرغوب ہے۔ معراج کے حوالے سے یہ اشعار دیکھیے:

چڑھا کے جام شراب خدمت براق آ پہنچا اس ادا سے
کہ اپنے حسن شباب پر خود دل آئے جیسے کسی حسین کا

صدائیں حسن کرم کی آئیں کہ اور بڑھ آ حبیب میرے
بحد تکمیل ابھی نہیں ہے ارادہ جذبات دل نشیں کا

ہوائے شوق کلام سن کر اڑے تکلف کے پردے آخر
چھڑیں وہ مقبول طبع باتیں اثر بھی جن میں نہ تھا نہیں کا (۱۹)

عزیز لکھنوی کے قصائد میں موضوعات کا تنوع نسبتاً زیادہ ہے۔ اُن کا تلمیحیاتی نظام اُن کی وسعت علمی کا غماز ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے عہد کی جدید ایجادات کو کام میں لا کر ندرت فکر کا عنصر پیدا کر لیتے ہیں۔ گویا وہ اپنے گرد و پیش میں معاشرتی تبدیلیوں سے آگاہ تھے اور اپنے گہرے مشاہدے کی بنا پر انھوں نے عام استعمال کی چیزوں سے شعریت پیدا کی ہے جس سے اُن کی ذہانت و جودت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے:

تیرے ہر جلوہ رنگیں میں ہے برقی قوت
کیا نہ کھینچ آئیں گے سب پردہ ظلمت والے (۲۰)

ترجیح و تیغ کے قصہ کو پھر کریں تازہ
سجے دوبارہ جو خاتون مصر کا بازار (۲۱)

لگا کر عینک اندیشہ دیکھی حسن کی صورت
خیالات اور آئے دل میں سودائی تو سودائی (۲۲)

نعتیہ قصائد میں مدح کے باب میں سب سے اہم اور ضروری بات حفظ مراتب کی پاسداری ہے۔ نعت کا تقدس یہ ہے کہ اس میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو اور ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ منقبت کے مضامین سے پرہیز کیا جائے۔ اگر مناقب پیش کرنا ناگزیر ہوں تو وہ نعت کے رنگ میں اس طرح رنگے ہوں کہ نعت کا حصہ معلوم ہوں۔ ایسا تاثر نہ ابھرے کہ نعت میں ایک نیا باب شروع ہو گیا ہے محشر اور عزیز دونوں کے ہاں اہل بیت کے مناقب موجود ہیں۔ مواخات مدینہ کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا تھا۔ اس حوالے سے اور واقعہ معراج کے حوالے سے دونوں شعرا کے ہاں اشعار موجود ہیں۔ محشر کے ہاں حفظ مراتب کی پاسداری کا اہتمام موجود ہے۔ انھوں نے حضرت علیؑ کو خدا تسلیم کرنے والے گروہ کو رد کیا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ انھیں فضائل حضرت علیؑ پر اصرار بھی ہے۔ یہاں وہ واقعی معراج کے حوالے سے بھی اپنے عقیدے کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ اشعار دیکھیے:

دم وصل اضطراب دل بھی شرح شوق ہے گویا
مگر تسکین باطن کو صدا مانوس آئی ہے (۲۳)

اپنے نائب کے توسط سے خدا تک پہنچا
کفر سمجھا جو نصیری کا خدا ہو جانا (۲۴)

عزیز لکھنوی کے ہاں بھی عقیدے کا اظہار ملتا ہے۔ انھوں نے اعتدال کی روش کو برقرار نہیں رکھا۔ ایک جگہ وہ نبی کریمؐ اور امتی میں برابری کا یوں عوی کرتے نظر آتے ہیں:

دوبالا کیوں نہ شان و شوکت اسلام ہو جائے
علیؑ سا جب محمدؐ کو برابر کا ملے بھائی (۲۵)

عزیز بھی محشر کی طرح نعت کے ساتھ منقبت علیؑ کا بیان ضروری خیال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عزیز کے ہاں منقبت کا جوش نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے اور وہ اس جوشِ محبت میں نعت کے موضوع سے بار بار ہٹتے نظر آتے ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر کمال الدین کی رائے ملاحظہ ہو:

”جوش عقیدت میں عزیز حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ

کی مدح کو خلطِ ملط کر دیتے ہیں اور حفظِ مراتب کا خیال

بھی بہت کم کرتے ہیں۔ جہاں کہیں حضرت محمدؐ کی

مدح کرتے ہیں کسی نہ کسی مشکل میں حضرت علیؑ کو

ضرور لاتے ہیں۔“ (۲۶)

عہد موجود میں نعت کی تنقید کے آغاز میں ”نعت رنگ“ اور ماہنامہ ”نعت“ کی کاوشیں قابلِ ستائش ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ خالص نعت کی صورتیں اپنی تمام تر رعنائی سے جلوہ گر ہو رہی ہیں۔ دیگر اصناف یعنی نظم اور منقبت وغیرہ کے لیے الگ کتابیں چھپ رہی ہیں۔ محشر و عزیز کے عہد میں نعت کے ساتھ ہی مناقب لکھنے کا رجحان تھا۔ ولی دکنی کے ایک نعتیہ قصیدے میں خلفائے راشدین کے اوصاف بھی ملتے ہیں۔ اسی روایت کی پیروی ہمیں عزیز اور محشر کے نعتیہ قصائد میں نظر آتی ہے لیکن انھوں نے یہ روایت اپنے عقیدے کے مطابق نبھائی ہے اور صرف حضرت علیؑ کی منقبت کو پیش نظر رکھا ہے۔

مدح کے مضامین میں ولادتِ رسولؐ اور معراجِ النبیؐ کا موضوع عزیز اور محشر دونوں کو مرغوب ہے۔ عزیز کے ہاں حضور نبی کریمؐ کی ذاتی صفات اور سراپا نگاری کے علاوہ انبیاء سے تقابل، معجزات، قرآن اور سایہ مبارک کا بیان نظم ہوا ہے۔ انھوں نے ایک قصیدے ”شارع الاسلام“ میں یورپ کے مؤرخوں اور ہمارے مغرب نواز طبقے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اُن کی یہ صفت عصری شعور کی غمازی کرتی ہے اور اس پر شاطر مدراسی کے اثرات کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے:

خالی مورخوں نے یورپ کے کیا لکھا ہے
دیکھیں تو چشم دل پر عینک لگانے والے

اے روح ذی سکینہ، اے راست باز بندے
ہوتا نہ تو تو لاشے تھے یہ زمانے والے

تکبیر کی صدا کو دل سے کبھی سنا ہے
مغرب کے فلسفے کا ڈنکا بجانے والے

قرآن دین حق کا وہ زندہ معجزہ ہے
اب تک تو مثل اس کا لائے نہ لانے والے

فاتو بسورۃ کا جب اشتہار نکلا
عاجز ہوئے ادب کے دریا بہانے والے (۲۷)

مختر نے آنحضرتؐ کی محبوبیت، نورانیت، دین اسلام کی حقانیت، شفاعت اور سراپا
نگاری کے علاوہ معجزات ولادت کو موضوع بنایا ہے۔ اُن کی مدح خلوص پر مبنی ہے اس میں انھوں
نے نادر تشبیہات کے ذریعے آپؐ کی آمد کا خوب صورت مرقع پیش کیا ہے۔ ”تقدیل عرش“
سے حضور نبی کریمؐ کی آمد مسعود کے حوالے سے چند اشعار دیکھیے:

مبارک آمنہ خاتون کو سرمایہ فطرت
لیے ہیں گود میں بچہ کہ قبضہ میں خدائی ہے

خوشا طالع کہ قرآن غیب کے جزدان سے نکلا
محمدؐ گود میں یا شرح علم کبریائی ہے

ہو روشن جہاں میں صاحب شق القمر آیا
ہنسی بے ساختہ افلاکیوں کے منہ پہ آئی ہے

مہ و خورشید آنکھیں مل رہے ہیں اس کے قدموں پر
کہ جس کا نقش پا مرآت حسن راہنمائی ہے (۲۸)

مدح کے حوالے سے یہ عرض کر دینا ناگزیر ہے کہ عزیز اور محشر کے قصائد عشق و وارفتگی میں ڈوب کر لکھے گئے ہیں۔ اشعار سے شعر کا خلوص اور عشق کی صداقت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ قصائد ایسے دور میں لکھے گئے ہیں جب درباری قصیدہ نگاری دم توڑ چکی تھی اور ناقدین قصیدے کی صنف کی موت کا اعلان کر چکے تھے یعنی یہ قصائد کسی دنیاوی صلے اور ستائش کی تمنا سے بے نیاز ہو کر لکھے گئے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مستقبل میں صنف قصیدہ اب نعت کے حوالے سے فروغ پائے گی البتہ یہ فیصلہ وقت کرے گا کہ نئے دور میں قصیدہ اسلوب اور طرز بیان کا کیا رنگ اختیار کرتا ہے۔ بہر حال عزیز اور محشر لکھنوی کے قصائد آنحضرتؐ سے والہانہ عقیدت کے مظہر ہیں۔

عزیز لکھنوی نے مردف اور غیر مردف دونوں طرح کے قصائد لکھے ہیں۔ اُن کی ردیفیں سیدھی سادی ہیں۔ اُن کا مختصر قصیدہ ”نوید بعثت“ چوبیس اشعار پر مشتمل ہے جب کہ غیر مردف قصیدہ ”حسن و عشق“ سب سے طویل ہے اور ایک سو اکیس اشعار پر مبنی ہے۔ محشر لکھنوی کے ہاں سب سے طویل قصیدہ ایک سو دو اشعار کا ہے۔ انھوں نے مشکل ردیفیں اختیار کی ہیں اور اپنی قادر الکلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے عمدہ مضامین نکالے ہیں۔ وہ ردیف کو خوبی سے برتنا جانتے ہیں۔ اُن کے ہاں ”محبوب کا“، ”سے پوچھو“ اور ”سے باز آئے“ کی ردیفیں اس ہنرمندی اور سلیقے سے کام میں لائی گئی ہیں کہ داد دیے بغیر نہیں بنتی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کسی کے چہرے پہ کیوں ہے رونق، اڑا ہے کیوں رنگ

رخ کسی کا

امان پائے ہوؤں سے پوچھو، جفائے اہل ستم سے پوچھو

(۲۹)

روح یوسف دیتی ہے مصر حقیقت سے صدا
اے محمد! تو ہے بس مقصود ہر محبوب کا (۳۰)

فصیحان عرب نے معجزہ قرآن کا جب دیکھا
تو اپنے دعویٰ طبع سخن گستر سے باز آئے (۳۱)

حسن طلب میں محشر کے ہاں کچھ خاص اہتمام نظر نہیں آتا۔ انھوں نے ایک دو شعر میں مختصر طور پر توفیق مدحت، چشم عطا اور نامرادی سے دُور رہنے کی دعا مانگی ہے۔ ”معراج شوق“ اور جد ہی وصل“ میں انھوں نے دعا کا اہتمام کیا ہی نہیں، اُن کی دعائیں ذاتی نوعیت کی ہیں جب کہ عزیز نے اسلام کی سر بلندی طلب کر کے اجتماعی درد مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے علاوہ عزیز کے قصائد میں جامعیت ہے اور اس میں اسلام کے چمکنے اور کفر کے نیست و نابود ہونے کا بیان ہے۔ اُن کے ہاں فکری وسعت نظر آتی ہے جہاں انھوں نے دعا کا اہتمام کیا ہے اس میں اپنی جودت طبع کے جوہر دکھائے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جہاں میں ہے جہاں تک ربط حسن و عشق کو باہم
تعلق روح و اُمق کو رہے جب تک کہ عذر اسے

رہے طاقت رُبا جب تک اشارہ چشم دلبر کا
رہے بے چین روح قیس جب تک نام لیلیٰ سے

رہے اسلام روشن دہر میں خورشید کی صورت
الہی تیرگی ہو کفر کی نابود دنیا سے (۳۲)

عزیز کے قصائد کی زیادہ تر تشابیب عاشقانہ ہیں، اس کے علاوہ ان میں بہاریہ اور رندانہ مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ اُن کی علمی لیاقت اُن کے تلمیحاتی نظام میں نظر آتی ہے اور طرزِ بیان میں اُن کا گہرا مشاہدہ جھلکتا ہے۔ سادہ ردیفیں، مکالماتی انداز، منظر نگاری، رنگ تغزل اور بلند تخیل اُن کے نعتیہ قصائد کی نمایاں صفات ہیں۔ وہ مدح میں جوش عقیدت سے کام لیتے ہوئے منقبتِ علیؑ کو بھی شامل کرتے نظر آتے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کے گریز کمزور رہ گئے ہیں البتہ دعا کے معاملے میں انھوں نے بعض مقامات پر جامعیت سے کام لیا ہے۔

محشر کے ہاں جذبہ کی شدت، حفظ مراتب کی پاسداری، وفور عشق، فلسفیانہ عناصر، غنائی لہجہ، طویل بحریں اور مشکل ردیفیں اپنا جلوہ دکھاتی نظر آتی ہیں۔ وہ گریز میں کامیاب رہے تھے تو دعا پر کم توجہ دی ہے۔ اُن کے بارے میں ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں:

”مترنم بحروں کا انتخاب، مناظرانہ انداز، محاکاتی طرزِ بیان، مقتضائے حال کے مطابق کوائف کی ترسیل، فصاحت و بلاغت کا جوہر ان کے قصائد میں تخصیصی

اہمیت کے عناصر ہیں۔“ (۳۳)

بیسویں صدی کی قصیدہ نگاری میں عزیز اور محشر اپنے کلاسیکی اسلوب اور سیرت النبیؐ کے والہانہ طرزِ بیان کی بدولت اپنا ایک الگ تشخص قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ انھوں نے قصیدہ نگاری کے فن کو نہ صرف سمجھا بلکہ اُس کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اُن کے ہاں جنابِ رسول کریمؐ کے اخلاق و کردار، عظمت و رفعت، جمال و کمال، شفاعت و رافت، محبوبیت و نورانیت اور معجزات و تلمیحات کے بارے میں عمدہ اشعار عشق و محبت کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ چوں کہ دونوں احباب کا تعلق ایک ہی مسلک سے ہے، اس لیے انھوں نے اپنے کلام میں عقیدت اور عقیدے کی آمیزش سے اظہار کی راہ ہموار کی ہے۔ زبان و بیان کی دل کشی اور صنائعِ بدائع کا نکھر اہوا استعمال ان قصائد کی وقعت بڑھاتا نظر آتا ہے۔ مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے کہ عزیز لکھنوی اور محشر لکھنوی نے بیسویں صدی کے اوائل میں اردو نعتیہ قصیدہ نگاری کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ یہ قصائد محفلِ مقاصدہ کے لیے لکھے گئے تھے اس لیے تشابیب پر اکثر عاشقانہ رنگ غالب ہے۔ یہی اس دور کا عوامی رنگ تھا۔ بہر حال ان قصائد کا مقصد جو بھی ہو ان میں خلوص، سچائی اور وفور عشق کے جذبات موجزن نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ ابو محمد سحر، ڈاکٹر: اردو میں قصیدہ نگاری: دہلی، تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۸-۹۲
- ۲۔ محمد ریاض، ڈاکٹر / صدیق شبلی، ڈاکٹر: فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ: لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص: ۴۹
- ۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر: اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ: لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۱۷
- ۴۔ رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر: اردو میں نعتیہ شاعری: کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۷۶ء، ص: ۴۲۳
- ۵۔ علی جوادی زیدی: قصیدہ نگارانِ اتر پردیش: لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۳۲
- ۶۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتائبستان: سن، ص: ۱۰
- ۷۔ محشر، کاظم حسین لکھنوی: شفیق محشر: لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۲۴ء، ص: ۷
- ۸۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتائبستان: سن، ص: ۴
- ۹۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتائبستان: سن، ص: ۸-۶
- ۱۰۔ محشر لکھنوی: آفتاب محشر - ص: ۸-۹
- ۱۱۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتائبستان: سن، ص: ۳۳
- ۱۲۔ محشر، کاظم حسین لکھنوی: شفیق محشر: لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۲۴ء، ص: ۵
- ۱۳۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتائبستان: سن، ص: ۲۹
- ۱۴۔ محشر، کاظم حسین لکھنوی: شفیق محشر: لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۲۴ء، ص: ۲
- ۱۵۔ محمد کمال الدین، ڈاکٹر: بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری: مؤناتھ بھنجن، نکھار پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء، ص: ۹۶
- ۱۶۔ محشر، کاظم حسین لکھنوی: شفیق محشر: لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۲۴ء، ص: ۸
- ۱۷۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتائبستان: سن، ص: ۲۳
- ۱۸۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتائبستان: سن، ص: ۲۴
- ۱۹۔ محشر، کاظم حسین لکھنوی: شفیق محشر: لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۲۴ء، ص: ۱۶
- ۲۰۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتائبستان: سن، ص: ۲۴

- ۲۱۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتاہستان: سن، ص: ۱۳
- ۲۲۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتاہستان: سن، ص: ۷
- ۲۳۔ محشر، کاظم حسین لکھنوی: شفیق محشر: لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۲۴ء، ص: ۴
- ۲۴۔ شفیق محشر۔ ص: ۱۴
- ۲۵۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتاہستان: سن، ص: ۲۷
- ۲۶۔ محمد کمال الدین، ڈاکٹر: بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری: مونا تھہ بھنجن، نکھار پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء، ص: ۹۶
- ۲۷۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتاہستان: سن، ص: ۳۸، ۳۷
- ۲۸۔ محشر، کاظم حسین لکھنوی: شفیق محشر: لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۲۴ء، ص: ۲
- ۲۹۔ شفیق محشر ص: ۶
- ۳۰۔ شفیق محشر ص: ۱۱
- ۳۱۔ شفیق محشر ص: ۱۸
- ۳۲۔ عزیز لکھنوی: صحیفہِ ولا: الہ آباد، کتاہستان: سن، ص: ۳۱
- ۳۳۔ سعادت سعید، ڈاکٹر: اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص: ۵۳۵